

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

اقبال کا پیغام — امت مسلمہ کے نام

قاضی حسین احمد

علامہ اقبال نے ”اسرار و رموز“ کی آخری نظم: ”عرض حال مصنف بحضور رحمتہ للعالمین“ میں یہ بیان کیا ہے کہ امت مسلمہ کی حیثیت ایک بے جان لاش کی سی ہو گئی ہے۔ یہ آپ کی تعلیمات اور آپ کی ذات کو بھول کر آپ سے نا آشنا ہو گئی ہے۔ اس کے تمام دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے میں نے اس کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات سے اس کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی ہے اور آپ کے حضور میں اس کو پیش کیا ہے۔ حضور سے عرض کرتے ہیں کہ پہلے بھی آپ ہی نے انسانیت کو ایک حیات بخش پیغام سے آشنا کیا۔ اب میں آپ ہی کے سامنے آپ کی امت کو لے کر آیا ہوں، آپ ہی اس امت کا علاج کر سکتے ہیں۔ اس نظم میں حضور نبی کریم سے اقبال کا عشق و محبت کا تعلق بالکل صاف جھلکتا ہے۔ فارسی کی اس نظم میں وہ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے اپنی امی سے آپ کا نام سنا ہے اور آپ سے آشنا ہوا ہوں، آپ مجھے اپنے ماں باپ سے زیادہ عزیز ہو گئے ہیں۔ جب اس امت کے دل میں آپ کی محبت جاگزیں ہوگی اور آپ پھر سے اس امت کے محبوب بنیں گے تب ہی اس کے تمام دکھوں کا مداوا ہو سکے گا۔ اگر فارسی سمجھنے والے اس نظم ”عرض حال مصنف بحضور رحمتہ للعالمین“ کا مطالعہ کریں تو انھیں اندازہ ہو گا کہ اقبال دلوں میں حضور کی محبت پیدا کر کے ہمیں قرآن پاک کی تعلیمات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے عام شعرا کی طرح شاعری شوقیہ نہیں اپنائی بلکہ شعر گوئی کو اپنے پیغام کا ذریعہ بنایا ہے۔ ایک فارسی شعر میں کہتے ہیں:-

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست سوے قطاری کشم نغمہ بے زمام را
کہاں شاعری اور کہاں میں شاعری تو ایک بہانہ ہے۔ میرا اصل کلام یہ ہے کہ جو نغمہ بے زمام (امت مسلمہ) ہے اس کو قتلہ کے اندر کسی نظم و ضبط کے تحت لے آؤں۔ چنانچہ اقبال ”امت کو بتاتے ہیں کہ تیرا

اصل محبوب کون ہے۔ وہ امت کی تمام خرابیوں کا سبب یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے محبوب کو بھول گئی ہے۔ ایک رباعی میں فرماتے ہیں:-

شے پیش خدا مگر ستم زار مسلماناں چرا زارند و خوارند
ندا آمد، نمی دانی کہ این قوم دلے دارند و محبوبے نہ دارند

کہ میں ایک رات زار و قطار اللہ کے حضور میں روتا رہا۔ میں نے کہا کہ یہ مسلمان کیوں ذلیل و خوار ہیں؟ ندا آئی کہ کیا تمہیں پتا نہیں کہ اس قوم کے سینے میں دل ہے لیکن اس میں محبوب نہیں ہے۔ چنانچہ اقبال کی پوری کوشش یہ ہے کہ وہ امت کو محبوب کی پہچان کرا دیں۔ اور دلوں میں نبیؐ کی محبت ڈالنے کے بعد وہ حضورؐ ان کی سیرت و تعلیمات، شریعت اور قرآن کے ذریعے اصلاح کا کام کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است
در شبستان حرا خلوت گزید قوم و آئین و حکومت آفرید
از کلید دین در دنیا کشاد ہم چو او بطن ام گیتی نژاد

مسلمان کے دل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے۔ ہماری آبرو ان کے نام کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے حرا کی تاریکیوں میں خلوت اختیار کی تو قوم بنائی، حکومت بنائی اور آئین بنایا اور دین کی چابی سے دنیا کا دروازہ کھولا۔ یعنی دین اور دنیا کوئی الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ دین، دنیا کا دروازہ کھولنے کا ذریعہ ہے۔ انہوں نے دنیا میں زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا کہ کس طریقے سے دنیا میں رہنا ہے اور بندوں کے کیا حقوق ہیں، اللہ کے کیا حقوق ہیں، آپس میں کس طریقے سے مل جل کر رہنا ہے اور گھر کے اندر کیسے رہنا ہے، معاملات کیسے طے کرنے ہیں۔ یہ دین کے تمام اصول اور طریقے دنیا میں جینے کا سلیقہ سکھانے کے لیے آئے ہیں۔

حضورؐ نے جو آئین دیا تھا اس کی تشریح اقبال کے کلام میں جگہ جگہ ملتی ہے۔ وہ آئین کیا تھا جو نبیؐ نے دیا تھا؟ وہ قوم کون سی تھی جس کو حضورؐ نے پیغام دیا اور جس کی تشکیل کی۔ اور اس حکومت کے کیا اصول تھے جو حضورؐ نے قائم فرمائی۔ اقبال نے اپنے کلام میں جگہ جگہ کہا ہے کہ قرآن کریم وہ آئین ہے جو حضورؐ نے اس امت مسلمہ کو دیا:-

آں کتاب زندہ، قرآن حکیم حکمت او لا یزال است و قدیم
وہ زندہ کتاب قرآن کریم ہے۔ اس کی حکمت لازوال اور ہمیشہ سے ہے۔ قرآن کریم کی یہ شان ہے کہ جب ایک دور گزرتا ہے تو دوسرے دور کے لیے نئی آیت و آیت کے ساتھ اپنی تعلیمات کو پیش کر دیتا ہے۔ اس کی تعلیمات کبھی پرانی نہیں ہوتیں۔ یہ آئین (قرآن مجید) زمان و مکان کی حدود میں محصور نہیں۔

”اسرار و رموز“ میں اس پر باب باندھے گئے ہیں کہ اس امت کا نہ کوئی انتہائے زمانی ہے اور نہ کوئی انتہائے مکانی ہے۔ جو آئین اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ زمان و مکان کی حدود سے بالاتر ہے۔ اقبال کی مشہور نظم ہے:-

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا الہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکان، لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں، لا الہ الا اللہ

یعنی کوئی زمان و مکان کی حد نہیں ہے۔ جو بھی ملک ہو اور جو بھی زمانہ ہو، حضورؐ کی تعلیمات ہر ملک اور ہر زمانے کے لیے ہیں۔ یہ دین قید مکان اور قید زماں سے آزاد ہے۔ اقبال حضورؐ کی ملت کے بارے میں کہتے ہیں:-

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی
اقوام مغرب، وطن اور زبان و مکان کی بنیاد پر قومیت کی قائل ہیں، لیکن اقبال کہتا ہے کہ وطنی قومیت کو بت بنانا حضورؐ کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے اور اسی طرح وطن پرستی کے بارے میں کہتے ہیں:-
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
وہ بتاتے ہیں کہ حضورؐ نے جو امت بنائی ہے وہ کس طرح زبان، مکان اور نسل اور علاقے کی حدود سے بالاتر ہے۔ فرماتے ہیں:-

نہ افغانیم و نے ترک و تاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برا حرام است
کہ ما پروردہ یک نوبہاریم
ہم نہ افغان ہیں، نہ ترک ہیں، نہ تاتار ہیں۔ مختلف اشعار میں کہتے ہیں کہ نہ حجازی نہ چینی، نہ ہندی بلکہ ہم تو حضورؐ کی ذات بابرکات کے گرد جمع ہونے والی ایک امت ہیں۔ ہماری اساس اور ہمارا بنیادی عقیدہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، اسی کی بنیاد پر ہم ایک قوم ہیں اور عقیدہ توحید کی اساس پر قائم ہیں۔ چنانچہ وہ ”ترانہ ملی“ تو سب کو یاد ہے:-

چین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا
اور پھر مسلمانوں کی تاریخ یاد کرتے ہوئے اپنے مرکز اور عقیدے کی نشان دہی کرتے ہیں:-
دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا
اس ”ترانہ ملی“ میں تاریخ بھی بیان کی ہے۔ اندلس کی زمین کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

اے گلستان اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھ کو تھا تیری ڈالیوں میں جب آئیاں ہمارا
 ”ترانہ ملی“ میں وہ اپنی ملت اور حضورؐ کی امت کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کی تاریخ یاد کرتے ہیں اور
 اس حقیقت کو دہراتے ہیں کہ یہ امت، علاقے اور ملک کی حدود سے بالاتر ہے۔ توحید پر اس کی اساس ہے
 اور کعبہ اس کا مرکز و محور ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قافلہ سالار ہیں (سالار کارواں ہے
 میر حجاز اپنا۔۔۔ اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا) جملہ فی سبیل اللہ اس کا طریق زندگی ہے (تیغوں کے
 سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں۔۔۔ خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا)۔ اندلس میں ”طارق کی دعا“ سے
 اقبال مسلمانوں کو یہ تعلیم دے رہے تھے اور ان کو یہ یاد دلا رہے تھے کہ پوری روئے زمین ان کا ملک ہے
 کیوں کہ ان کے اللہ کی ملکیت ہے۔

طارق چو برکنارہ اندلس سفینہ سوخت گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطاست
 دوریم از سواد وطن باز چوں رسم؟ ترک سبب زروے شریعت کجا رواست
 خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت ہر ملک ملک ماست کہ ملک خداے ماست

طارق جب اندلس کی سرزمین پر اترے تو انھوں نے کشتیاں جلا دیں کہ یہ خواہ مخواہ ایک سہارا ہے
 جس میں مجاہدین بیٹھ کر واپس جاسکتے ہیں، حالانکہ ان کا ملک تو یہ ہے، اسی میں اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، اس میں
 توحید کی تعلیم دینی ہے۔ اس لیے اس سے رشتہ جوڑنے کے لیے واپسی کی کشتیوں کو جلا ڈالا۔ وہاں کے عقل
 مندوں نے کہا کہ عقل کے مطابق یہ کام صحیح نہیں ہے، شریعت کے تحت کہاں یہ جائز ہے کہ آپ واپسی
 کے سبب کو ختم کر دیں۔ طارق اپنی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھا کر مسکراتے ہوئے کہتے ہیں: ”ہر ملک ملک
 ماست کہ ملک خداے ماست“۔ یعنی ہر ملک ہماری اور ہمارے اللہ کی ملکیت ہے۔ یہ حضورؐ کی اس حدیث کی
 طرف بھی اشارہ ہے، جس میں انھوں نے کہا ہے کہ یہ پوری روئے زمین میری مسجد ہے۔ اس کا بھی بہت
 دل نشیں انداز میں اقبال نے ذکر کیا ہے۔

مومنوں را گفت آں سلطان دین مسجد من این ہمہ روئے زمین
 کہ اس سلطان دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین سے کہا کہ ساری روئے زمین میری مسجد
 ہے۔

الامان از گردش نہ آسماں مسجد مومن بدست دیگران
 میں نو آسمانوں کی گردش سے پناہ مانگتا ہوں کہ گردش لیل و نہار نے ہمیں یہ دن دکھلایا کہ مومنین کی
 مسجد غیروں کے ہاتھ میں ہے۔

سخت کوشد بندہ پاکیزہ کیش، تا بگیرد مسجد مولای خویش

پاکیزہ صفت مومن کا فرض ہے کہ انتہائی کوشش کرے کہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کو واکزار کرے۔

اے کہ از ترک جہاں گوئی گوی
ترک این دیر کسں تسخیر او
اے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ترک دنیا کرو، ایامت کو کہ اس دنیا کو تسخیر کرنا ہی درحقیقت اس کا ترک کرنا ہے۔

یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت جمادنی سبیل اللہ ہے۔ رہبانیت اور جملونی سبیل اللہ میں ایک مشابہت ہے۔ اسی لیے رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت جملہ میں ہے۔ مشابہت یہ ہے کہ رہبانیت میں آدمی دنیا اور تعلقات کو چھوڑ کر جنگلوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ مل و دولت، زر و زن اور وطن سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ غرض دنیا ترک کر دیتا ہے اور حضورؐ نے کہا میری امت کی رہبانیت یہ نہیں ہے، جملونی سبیل اللہ ہے۔ اس میں مومن دنیا کو ترک نہیں کرتا بلکہ دنیا کے سارے وسائل اور جتنی بھی قوت اس کے پاس ہے اس کو اللہ کے راستے میں قربان کرتا ہے۔ تمام تعلقات اور تمام توانائیاں اعلیٰ کلت اللہ کے لیے صرف کر دیتا ہے۔ حضور نبی کریمؐ نے یہ راستہ بتایا کہ اس طریقے سے مومن اپنے آقا کی مسجد کو واپس حاصل کر سکتا ہے۔

جن غیروں کا ذکر اقبال نے ان اشعار میں کیا کہ انھوں نے اس دنیا میں غلبہ حاصل کر کے روئے زمین کو اپنی آماجگاہ بنا لیا ہے۔ یہ غیر کون ہیں؟ ان کی نمائندہ مغربی تہذیب ہے۔ اقبال نے بتایا کہ یہ کچی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء کے درمیان اقبال یورپ میں علم حاصل کر رہے تھے۔ ۱۹۰۷ء میں انھوں نے یہ نظم لکھی تھی اور پیش گوئی کی تھی:-

سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عمد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہو شیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، تلبایدار ہو گا
۱۹۰۷ء میں لکھی گئی یہ نظم بہت خوب صورت ہے اور اس کا ایک ایک شعر پڑھنے کے قابل ہے اور دلوں کو گرمادینے، جذبوں کو ابھارنے اور امید دلانے والا ہے۔ اس میں انھوں نے کہا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادیں نہایت خام ہیں۔ ناچختہ بنیادوں کی وجہ سے یہ تہذیب منہدم ہونے والی ہے۔ ان بنیادوں پر کوئی عمارت ہمیشہ کے لیے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ زوال کی بھی نشانی دہی کی۔ ”جاوید نامہ“ میں ایک نظم ”پیغام افغانی بہ ملت روسیا“ لکھی ہے۔ اس میں انھوں نے بہت خوب صورت طریقے سے روسی

قوم کو پیغام دیا ہے کہ جب تک اللہ کے راستے پر نہیں چلو گے تم انسانیت کو کچھ نہیں دے سکتے ہو۔ اور چونکہ وہ اللہ کی طرف نہیں چلے اس لیے ان کی تہذیب کو زوال آیا۔ مغربی تہذیب کے بارے میں کہا کہ یہ ماہہ پرستانہ تہذیب، انسانیت کی رہنمائی کے قابل نہیں ہے۔ جو نیو ورلڈ آرڈر کی باتیں کرتے ہیں ان کے پاس حقیقتاً کوئی نظام نہیں بلکہ فسادی فلسفہ ہے۔ بنیاد پرستی کے خلاف جو طوفان اٹھایا ہے یہ بھی دراصل ان کے اپنے باطنی ضعف کا اظہار ہے۔ زمانہ تقاضا کر رہا ہے کہ کوئی نیا نظام آئے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اسلام سے خوف آتا ہے۔ اپنی مشہور نظم ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“ میں انھوں نے اس کا ذکر کیا ہے اور ابلیس نے اپنے شاگردوں کو ان خطرات سے آگاہ کیا ہے، جو ابلیسی نظام کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پہلے ابلیس اپنے شاگردوں سے استفسار کرتا ہے کہ اس کے نظام کے لیے موجودہ دور میں کون سے خطرات درپیش ہیں؟ کوئی اشتراکیت کو فتنہ بتاتا ہے اور کوئی کسی اور خطرے کی نشان دہی کرتا ہے لیکن آخر میں ابلیس خود کہتا ہے: نہیں، مجھے اصل خوف تو مسلمانوں سے ہے جو اپنے اشک سحرگلی سے اب بھی وضو کرتے ہیں۔ ان خلل خلل لوگوں سے مجھے خطرہ حقیقی ہے۔ اس کے ساتھ کہتا ہے۔

جاننا ہوں میں یہ امت حال قرآن نہیں ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جاننا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں بے یاری ہے پیران حرم کی آستیں
عصر حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبرؐ کہیں
القدر آئین پیغمبرؐ سے سو بار الخدر حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف منعموں کو مل و دولت کا بتاتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب بلو شاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
ابلیس بتاتا ہے کہ ابلیسی نظام کو زبردست خطرے کا سامنا ہے، اور وہ یہ کہ کہیں لوگوں پر شریعت محمدیؐ
آشکارا نہ ہو جائے۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کے حاملین بڑے زبردست لوگ ہیں۔ وہ تو مجھے معلوم ہے کہ
کس طرح کے لوگ ہیں لیکن چونکہ عہد حاضر کا تقاضا ہے اس لیے مجھے خوف ہے کہ لوگوں پر پیغمبرؐ اسلام کی
شریعت عیاں ہو جائے گی۔ جب عیاں ہو جائے گی تو اس کی کشش اتنی زبردست ہے کہ وہ میرے ابلیسی
نظام کے لیے خطرہ ہو جائے گی۔ اس کی مختلف صفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: عم

القدر، آئین پیغمبرؐ سے سو بار الخدر

شیطان آئین پیغمبرؐ سے پناہ مانگتا ہے کیونکہ وہ ناموس زن کا محافظ ہے۔ وہ عورت کو عورت سمجھتے ہوئے
اس کو احترام عطا کرتا ہے، نازن بنانے پر اس کو مجبور نہیں کرتا۔ مرد کو مرد کے مقام پر اور عورت کو عورت
کے مقام پر عزت دیتا ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا مونس و غمخوار بناتا ہے۔ اور معاشرے کو مل جل کر

ایک دوسرے کے لیے مدد کرنے کا درس دیتا ہے:-

الحذر، آئین پیغمبر سے سو بار الحذر حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں
 کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف منعموں کو مال و دولت کا بنانا ہے ایس
 دولت کو سود، جو اور دوسرے خراب اور حرام طریقوں سے پاک صاف کرتا ہے۔ جس کے پاس حلال
 کی دولت آجائے اس کو بھی کتا ہے کہ تم امین ہو، مالک نہیں ہو۔ (منعموں کو مال و دولت کا بنانا ہے
 امین)۔ مال کمانے اور خرچ کرنے کے حلال طریقے سمجھاتا ہے۔ وہ کتا ہے کہ یہ ساری روے زمین اللہ کی
 ملکیت ہے۔ بادشاہوں کی ملکیت نہیں ہے۔ اشتراکیت کے بارے میں جو اقبالؒ نے ابتدائی پیغام دیا تھا اس
 میں ایک ایک شعر بڑا خوب صورت ہے:-

دین آل پیغمبر حق ناشناس بر مساوات شکم وارد اساس
 کہ وہ جو حق ناشناس پیغمبر ہے (یعنی کارل مارکس) اس کے دین (یعنی کمیونزم) کا انحصار پیٹ کی
 مساوات پر ہے۔ اس کی خرابی اب تو ساری دنیا پر عیاں ہو گئی ہے، لیکن اقبالؒ نے اسی زمانے میں واضح کر دیا
 تھا کہ مغربی تہذیب بھی اسی طریقے سے ختم ہو جائے گی۔ کمیونزم ختم ہو گیا، مغربی تہذیب بھی ختم ہو جائے
 گی۔ اس کی جگہ کون سنبھالے گا؟ جگہ سنبھالنے کے لیے ایک تازہ دم امت کی ضرورت ہے، جو جذبہ جملہ
 اور اخلاق و کردار کے زیور سے آراستہ ہو اور قوت عمل سے سرشار ہو۔ اس لیے اقبالؒ کہتے ہیں کہ امت
 کے لوگوں کو سخت کوشی کارویہ اختیار کرنا چاہیے۔

اقبالؒ کا حضورؐ کے ساتھ خود بڑا گہرا تعلق تھا۔ وہ اس حوالے سے بھی جذبہ بیدار کرتے تھے۔ جنگ
 طرابلس پر نظم میں اس کا ذکر آیا ہے۔ عالم خیال میں وہ حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں حضورؐ ان
 سے پوچھتے ہیں کہ امت کا حل کیا تھا؟ میرے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ تو وہ امت کا حل بتاتے ہیں:-

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامہ زمانہ ہوا جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا
 فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو حضور آئیہ رحمت میں لے گئے مجھ کو
 کہا: حضورؐ نے اے عندلیب باغ حجاز کلی کلی ہے تری گرمی نوا سے گداز
 نکل کے باغ جہاں سے برنگ بو آیا ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

تو اقبالؒ کہتے ہیں کہ:-

حضورؐ دہر میں آسودگی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے، وہ زندگی نہیں ملتی
 ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی

لیکن بعد میں امید اور روشنی کی جھلک دکھاتے ہیں ایک تحفہ پیش کرتے ہیں:-

مگر میں نذر کو اک آگینہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
 جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں طرابلس کے شہیدوں کا ہے لو اس میں
 اقبل کو شہدا کے خون میں ایک امید نظر آئی ہے۔ یہ ایسی قیمتی چیز ہے جس سے پھر ایک نئی صبح کے
 بیدار ہونے کا امکان ہے۔

طرابلس کی جنگ ہی میں ”فاطمہ بنت عبد اللہ“ ایک عرب لڑکی پانی پلاتے ہوئے شہید ہو گئی تھی۔ اس
 میں انہیں امید کی کرن نظر آئی تو اسے عام کرنے کی کوشش کی۔ وہ فاطمہ بنت عبد اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے
 کہتے ہیں:-

یہ سعادت حور صحرائی تری قسمت میں تھی غازیان دین کی سقائی تری قسمت میں تھی
 اس کی تعریف کرنے کے بعد اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:-
 فاطمہ کو شبیم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے نغمہ عشرت بھی اپنے نالہ ماتم میں ہے
 اگرچہ تیری شہوت کی وجہ سے ہم بہت تمکین ہیں لیکن اس غم میں خوشی کا ایک پہلو بھی چھپا ہوا ہے،
 اور خوشی کا پہلو یہ ہے کہ:-

یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی
 یہ چنگاری اقبل کو نظر آئی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس کی خوشبو سارے عالم میں پھیل جائے گی اور
 ایک نئی صبح نمودار ہوگی۔ ایک نیا دلولہ پیدا ہوگا، بیداری پیدا ہوگی، اور فاطمہ پھر سے اپنے سفر پر گامزن ہو
 جائے گی۔

ایک نظم ”لمامت“ میں اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ امت محمدیہ کا حقیقی قائد کون بن سکتا ہے۔
 قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

تو نے پوچھی ہے لامت کی حقیقت مجھ سے حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
 ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
 موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے
 دے کے احساس زیاں تیرا لو گر ما دے فقر کی سن چڑھا کر تجھے تلوار کرے

وہ یہاں احساس زیاں کو زندہ کرنے کی بات کرتے ہیں۔ احساس زیاں کو زندہ کرنا اقبل کی شاعری اور
 ان کے پیغام کا اہم حصہ ہے۔ وہ احساس زیاں کے فقدان پر افسوس بھی کرتے ہیں:-

وائے ناکامی! متاع کاروں جاتا رہا کاروں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا
 ان کو یہ افسوس ہے کہ ایک تو کاروں کا سارا سلان لٹ گیا اور ان کو پتا بھی نہیں کہ ان کا سارا سلان

لٹ گیا ہے۔ اس پر انہوں نے رونا رویا ہے اور امت کے جوانوں کے لیے ایک پوری نظم لکھی ہے۔ انہیں کہتے ہیں کہ حکومت کا تو کیا غم کہ وہ اک عارضی شے تھی یعنی حکومت تو زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ و تلک الایام ندلولہا مین الناس قرآن مجید نے بھی ہمت بندھائی ہے کہ آج اگر شکست ہو گئی تو کل فتح بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اقبل کو افسوس اور غم اس پر ہوتا ہے کہ:-

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی جو دیکھیں لن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سپارا
ہمارے آبا و اجداد کی کتابیں لوٹ کر لے گئے ہیں اور اپنے کتب خانوں میں لن کو سجایا ہے، لن کی
آنکھیں اس سے روشن ہوتی ہیں اور ہماری آنکھوں کا نور ہم سے چھین گیا ہے۔ اس احساس زیاں کی جانب
وہ اپنی قوم کو ہر موقع پر متوجہ کرتے ہیں۔ چنانچہ جب یورپ سے واپسی پر سمندر کے سفر کے دوران صقلیہ
(سسیلی) نامی جزیرے پر، جہاں مسلمانوں کی ۷۷۷ سال حکومت رہی، نظر پڑی تو بے اختیار کہتے ہیں:-

رو لے اب دل کھول کر اے دیدہ خونخوار وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار
اسی طرح اندلس میں دریاے ولوی الکبیر کے کنارے پر واقع مسجد قرطبہ کو دیکھ کر، اپنے جذبہ کا یوں
اظہار کرتے ہیں:-

آب روان کبیر، تیرے کنارے کوئی دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
کون سی ولوی میں ہے کون سی منزل میں ہے عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جاں
لن کو نظر آ رہا ہے کہ عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جاں ختم نہیں ہو سکا۔ امت مسلمہ کے پاس جو پیغام
نور اور ہدایت ہے، امت کا ایمان ہے کہ اس کے بغیر انسانیت قلع نہیں پاسکتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ
امت یا پیغام یا توحید کی لانت ختم ہو جائے۔ یعنی لن کو انتظار ہے کہ وہ قافلہ سخت جاں کسی ولوی میں سے
گزر رہا ہو گا۔ کہیں سے آ رہا ہو گا، اور کہیں سے نظر آ جائے گا۔ اقبل کو گرد اڑتی ہوئی نظر آ رہی ہے اور
اس گرد میں سے لن کو کسی سوار کا انتظار ہے:-

خرم آں کس کہ دریں گرد سوارے بیند

وہ کتنا خوش قسمت ہے کہ اس کو اس گرد سے نکلا ہو کوئی سوار نظر آ جائے۔ وہ اس انتظار میں محو ہیں
لیکن ساتھ ساتھ احساس زیاں کو بیدار کر رہے ہیں۔

یہ وہ دور تھا جب ساری دنیا میں استعمار نے مسلمانوں کو غلام بنا لیا تھا۔ اب تو آپ کے ۵۲، ۵۳ ممالک
آزادی کی فضا میں جی رہے ہیں۔ ایک امید ہے، آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس زمانے میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔
مرد بیمار خلافت عثمانیہ دم توڑ چکی تھی، لیکن اقبل نے امید کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا، احساس زیاں
بیدار کر کے پھر امید دلائی، انہوں نے یاس و حزن کے بجائے امید کا درس دیا اور ناامیدی کو تمام امراض کی

جڑ قرار دیا۔ ”اسرار و رموز“ میں ایک باب اس پر باندھا ہے کہ یاس اور حزن ام الخبائث ہیں۔ ناامیدی تمام گندگیوں اور تمام امراض کی جڑ ہے۔ ناامید ہونے کے بعد انسان کے لیے اٹھنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اٹھنے کے لیے تو امید ضروری ہے اور یاس و حزن سے تو اللہ کے نبیؐ نے پناہ مانگی ہے اور ناامیدی سے اللہ نے روکا ہے اور کہا ہے کہ: لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّهُ يَرْحَمُ مَن يَشَاءُ۔

اقبالؒ نے طویل نظمیں لکھی ہیں کہ لوگ ناامید اور غمگین نہ ہوں۔ وہ یاس و حزن میں مبتلا نہ ہوں بلکہ کمر ہمت باندھ لیں، اور ان کو کمر ہمت باندھنے کے لیے انہوں نے امید کی جھلک دکھائی ہے اور مختلف واقعات کے ذریعے سے ان کے شوق کو بیدار کیا ہے۔ یہ ان کا بنیادی پیغام ہے کہ محبت اور شوق ہی بہت بڑے بڑے کام کرواتے ہیں۔

دے دلولہ شوق جسے لذت پرواز کر سکتا ہے وہ ذرہ مہ و مر کو تاراج
کہ دلولہ شوق اور محبت کے نتیجے میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے جاتے ہیں۔ شوق اور محبت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔

”اسرار و رموز“ میں انہوں نے خودی کی تعریف کی ہے کہ میں کیا ہوں۔ اپنی شناخت کو جانو۔ اگر ایک انسان اپنے آپ کو پہچان لے، اپنے رب کو پہچان لے اور اپنے مقام کو پہچان لے، تو اس کے بعد اللہ کی طاقت و نصرت اس کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ اس لیے ان کی ساری کوشش یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اس کے مقام اور حیثیت کی پہچان کرا دیں۔ موت کا فلسفہ بیان کرتے ہیں کہ موت کیا ہے؟

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات
موت بھی زندگی کے سفر کا ایک مقام ہے۔ دنیا کی موت آخری منزل نہیں ہے۔ حیات اس کے بعد بھی جاری ہے۔ دنیا کا افق اس کو ختم نہیں کرتا۔ حیات کا تسلسل موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اس پر مومن یقین رکھتا ہے اور اقبالؒ کو اس پر یقین ہے۔

انہوں نے قیادت کی ایک تعریف یہ بیان کی ہے کہ وہ تمہارا احساس زیاں بیدار کر دے اور دوسری یہ کہ تمہیں موت کے آئینے میں محبوب کا چہرہ دکھا دے اور تمہارا اس بات پر یقین ہو جائے کہ موت کی وادی میں سے گزریں گے تو محبوب سے ملاقت ہوگی اور موت کو تمہارے لیے وہ آسان بنا دے۔

وہ چاہتے تھے کہ لوگ اپنے محبوب کو پہچان لیں اور پھر اس کے لیے جدوجہد شروع کر دیں، اس کے لیے انہوں نے محنت اور جدوجہد پر بہت زور دیا ہے۔ اس حوالے سے اقبالؒ کی ایک مشہور نظم ہے جس میں ایک عقاب (بوڑھا عقاب) اپنے جوان بچے (شاہین) کو نصیحت کرتا ہے۔

بچہ شاہیں سے کتا تھا عقاب ساخورد
 اے ترے شہیرہ آساں رفعت چرخ بریں
 ہے شاب اپنے لو کی آگ میں جلنے کا نام
 سخت کوشی سے ہے تلخ زندگی انگلیں
 جو کبوتر پر جھپٹنے میں مڑا ہے اے پر
 وہ مڑا شاید کبوتر کے لبو میں بھی نہیں
 کتا ہے کہ تمہارے بازو بوسے قوی ہیں اور یہ جو رفعت چرخ بریں (آسمانوں کی بلندیاں) ہیں یہ
 تمہارے شہیرہ کے لیے بہت آساں ہیں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جوانی کیا ہے۔ شاب کیا ہے۔ اپنے لبو کی
 آگ میں جلنے کا نام جوانی ہے۔ جتنا زیادہ لبو جلے گا اتنی ہی زیادہ توانائی پیدا ہوگی۔ زندگی کا لطف وہی اٹھاتے
 ہیں جو سخت کوشی ہوتے ہیں اور محنت و جدوجہد کرتے ہیں۔ وہی جوانی کی اصل لذتوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔
 اسی لیے تو شاہین دوسرے کا شکار نہیں کھاتا۔ اس کو کتنا ہی اچھا کھانا ملے گا لیکن وہ اپنے کیے ہوئے
 شکار کو ہی کھاتا ہے، کیونکہ جھپٹنے، پلٹنے اور محنت میں مڑا ہے۔

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا لبو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
 اس سے لطف آتا ہے اور لبو گرم ہوتا ہے۔ محنت اور مسلسل محنت۔ اس کے لیے موج کی مثال دیتے
 ہیں :-

موج ز خود رفتہ تیز خرامید و گت
 ہستہ اگر می روم، گوندہ روم نیستہ
 موج نے تیزی سے چلتے ہوئے کما کہ چلتی رہوں تو میں موجود ہوں۔ چلنا چھوڑ دوں گی تو میرا وجود ختم
 ہو جائے گا۔ تحریک اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک اس میں مسلسل حرکت ہے، تنگ و دو ہے،
 حرکت کے نتیجے میں زندگی ہے۔ جہاں حرکت رک گئی تو اسی وقت عدم آگیا اور موت آگئی۔ اس لیے اقبال
 مسلسل حرکت کے قائل ہیں: مع

جوے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
 کہ ایک بہت بھاری پتھر ہے اور ایک شخص اس پتھر پر مسلسل تیشہ چلا کر محنت کر رہا ہے۔ اور اس محنت
 کے نتیجے میں اس پتھر سے دودھ کا چشمہ جاری ہے۔ یہی اس زندگی کا اصل لطف ہے۔ مسلسل محنت، جدوجہد،
 محنت، جہاد۔

یا وسعت افلاک میں بحیرہ مسلسل یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
 یعنی مجاہد گنبد افلاک میں مسلسل اللہ کی بوائی کا اعلان کرتا ہے۔ اقبال کے پیغام کے بنیادی نکات ہیں:
 عشق، شوق، جہد مسلسل اور محنت۔ اور یہ سب کس لیے؟ تاکہ اللہ کا دین سر بلند ہو، اللہ کا کلمہ سر بلند ہو۔
 اس کے لیے اقبال جوانوں سے بڑی امیدیں باندھتے ہیں اور جوانوں کو آگ سے پیغام دیتے ہیں۔ وہ خواتین کو

بھی خصوصی پیغام دیتے ہیں اور خواتین کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امتِ امومت سے ماخوذ ہے اور امومت، ماؤں اور خواتین کا احترام کرنا، یہی امت کی شیرازہ بندی ہے۔ خواتین اور بچیوں کو خصوصی طور پر مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

بہل اے دخترک این دلیری ہا مسلان را نہ زبید کافری ہا
منہ دل بر جمل عازہ پر ورد بیبا موز از نگہ عارت گری ہا
کہ اے میری بیبا (چھوٹی بچی کو دخترک کہتے ہیں یہ پیار کا لفظ ہے) سیرت و کردار سے فتح حاصل کرنا اور
دلوں کو مسخر کرنا سیکھ لو۔ ناز و انداز، سنگھار اور میک اپ کے طریقے ترک کر دو۔ یہ جاہلیت کے طریقے
مسلمانوں کو زیب نہیں دیتے۔

وہ خواتین کو خطاب کرتے ہوئے ان سے درخواست کرتے ہیں کہ ہماری جو یہ تاریک رات ہے اس سے پچیدہ سحر نمودار کریں اور اس امت کے سامنے پھر سے قرآنِ کریم کی تلاوت کریں۔ کیا تجھے پتا نہیں ہے کہ یہ تیری قرأت کا سوز تھا جس نے عمر کی کلیا پلٹ دی۔ جب انھوں نے اپنی بہن سے قرآن سن لیا تو وہاں سے ایمان لانے کی نیت سے حضورؐ کے دربار میں چلے گئے اور ان کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ وہ واقعہ یاد کراتے ہوئے اقبال و خزانِ اسلام سے کہتے ہیں:-

ز شام ہا بدوں آور سحر را بہ قرآن باز خواں اہل نظر را
تو ی دانی کہ سوز قرأت تو دگرگوں کرد تقدیر عمر را
اس امت میں اصلاح کا کام امت کو حضورؐ سے آشنا کیے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ اصلاح حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کار کے مطابق ہی ہو سکتی ہے۔ مولانا مودودیؒ نے یہی طریق نبوی اختیار کیا۔
لوگوں کو اللہ کی طرف، توحید کی طرف دعوت دی جائے۔ جو قبول کر لیں، ان کو منظم کر کے ان کا تزکیہ کیا
جائے اور جو بھی منظم جماعت بنے، اس میں سچ و طاعت اور مشاورت کے اصول اپنائے جائیں۔ اس منظم
جماعت کو اصلاحِ معاشرہ اور اصلاحِ حکومت کے کام میں لگا دیا جائے۔ اقبالؒ نے یہی پیغام قرآن اور سیرت
النبیؐ سے سیکھا اور اپنے کلام میں توحید اور رسولؐ کے ساتھ تعلق کی دعوت دی، شہادت کا شوق دلایا، جہد
مسلح کی تعلیم دی، محبت و عشق کا درس دیا۔ یہ خاص ان کا امتیاز ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عقل و خرد سے
زیادہ عشق، محبت اور شوق کارگر ہوتا ہے:-

عظا اسلاف کا جذبہ دروں کر شریک زمرہ لا یحزنون کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں مرے مولاً مجھے صاحب جنوں کر
وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ساتھ اللہ کے محبت اور اس کی نعمتوں کا شوق ہو جائے۔ وہ غازیوں کا نقشہ

پیش کرتے ہیں کہ:-

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
دو نیم، ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
جنہیں تو نے بخشا ہے فوق خدائی
سٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
عجب چیز ہے لذت آشنائی
نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی

اللہ سے جڑ جانے کو لذت آشنائی کہتے ہیں۔ انسان اپنی حقیقت کو پہچان لیتا ہے۔ دونوں عالم سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ پھر صرف اللہ کی رضاعتی اس کو مطلوب ہوتی ہے اور اللہ کے راستے میں وہ اپنے آپ کو اور ہر چیز کو قربان کرنا چاہتا ہے۔ شہادت مطلوب و مقصود اس لیے بن جاتی ہے کہ وہ اپنے رب سے آشنا ہو گیا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ میری ساری چیزیں چلی جائیں لیکن میرا رب مجھ سے راضی ہو جائے۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ دنیا کی نعمتوں سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا، اور شہادت ہی اس کا مطلوب و مقصود بن جاتا ہے۔ یہی تحریک اسلامی کو مطلوب ہے۔ تحریک اسلامی، چاہے جماعت اسلامی ہو جس کی بنیاد مولانا مودودی نے رکھی، چاہے اخوان المسلمون ہو جس کی بنیاد حسن الہنا شہید نے رکھی، چاہے کسی اور خطے میں کوئی اور تحریک اسلامی ہو، چاہے اقبل نے یہ پیغام دیا ہو یا کسی اور مصلح نے۔ اس کا منبع صرف قرآن و سنت ہے۔ کسی کی اپنی کوئی فکر نہیں ہے اور نہ ہی کسی کی فکر کی کوئی وقعت ہے۔ امت مسلمہ صرف اور صرف حضور کے گرد اکٹھی ہو سکتی ہے، کسی اور شخصیت کے گرد اکٹھی نہیں ہو سکتی ہے۔ صرف قرآن و سنت کے گرد اکٹھی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے اقبل نے اپنے ترانے میں کہا:-

سلار کارواں ہے میر حجاز اپنا اس نام سے ہے بقی آرام جاں ہمارا
میر حجاز سلار کارواں ہیں اور صرف ان کے گرد یہ پوری امت اکٹھی ہو سکتی ہے، وہی فکر مطلوب و مقصود ہے جس کا منبع قرآن و سنت ہے۔ امت نے صرف اسی کو قبول کیا ہے۔ جہاں اس فکر میں اور کسی عالم دین یا لیڈر کی فکر میں کوئی فرق ہے تو امت مسلمہ نے بحیثیت مجموعی قرآن و سنت کے مقابلے میں کسی دوسری فکر کو کبھی درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ اقبل کی فکر صرف اس لیے محبوب ہے کہ اس نے پیغام خدا دیا ہے۔ "اسرار و رموز" کے آخر میں وہ بہت ہی پر جوش اور دعائیہ الفاظ میں حضور رحمت للعالمین کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

گر دلم آئینہ بے جوہر است در بحر نم غیر قرآن مضمحل است
روز محشر خوار و رسوا کن مرا بے نصیب از بوسہ پاکن مرا
اگر میں نے قرآن اور حق کی پیروی کے علاوہ کوئی اور راستہ دکھلایا ہے تو مجھے ذلیل و خوار کر دے اور

اپنے بوسہ پا سے محروم کر دے۔ ان کے دل میں اس سے زیادہ کوئی اور بددعا ہو نہیں سکتی تھی لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں کہ نہ۔

گر در اسرار قرآن سفتہ ام باسلماتاں اگر حق گفتہ ام
عرض کن پیش خداے عزوجل عشق من گردد ہم آغوش عمل
میں نے قرآن کا سبق دیا ہے اور اس کے اسرار بیان کیے ہیں۔ مسلمانوں کو اسی طرف بلایا ہے اور مسلمانوں کے سامنے حق کی تعلیم رکھی ہے۔ پھر حضور اکرمؐ سے کہتے ہیں کہ میرے حق میں اللہ سے دعا کریں کہ میرا شعر عمل صلح سے ہم آغوش ہو جائے۔ جس طرح ہر مصلح نے اس امت کو اللہ کی طرف بلایا ہے اسی طرح اقبلؑ نے بھی اللہ کی طرف بلایا ہے یہ پیغام امت مسلمہ کے لیے حیات بخش پیغام ہے، زندگی کا پیغام ہے اور بہت دل نشیں پیغام ہے۔ انہوں نے فارسی زبان کے ذریعے اپنے پیغام کو زیادہ وسیع طعنے تک پہنچایا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس وقت وسط ایشیا، افغانستان اور ایران میں ان کا پیغام مقبول ہے۔ ایران کے انقلاب میں تو اقبل کا کلام مرکزی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ علی شریعتی نے اقبل پر ایک کتاب لکھی ہے: "ما و اقبال"۔ خامنہ ای جو اس وقت ایرانی قوم کے رہبر ہیں ان کی بھی اقبال پر ایک عمدہ تقریر ہے: "اقبال ستارہ بلند شرق"۔ تاجکستان میں جس وقت جلو کی تحریک شروع ہوئی، اقبال کی وہ نظم جلوئی ترانے کی شکل اختیار کر گئی تھی جس میں اقبال نے امت مسلمہ کو گہری نیند سے اٹھنے کی صدا دی ہے جس کا عنوان ہے: "از خواب گراں خیز"۔

از ہند و سرقتد و عراق و ہنداز خیز از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز
فریاد ز افرتگ و دل آویزی افرتگ فریاد ز شیرینی و پرویزی افرتگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرتگ معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز!

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت کے مسلمان اردو دان طبقہ کے پاس ایک بہت بڑی نعمت اور حیات بخش پیغام ہے اور مسلمان نوجوانوں کا فرض ہے کہ اسے اپنے قلوب و اذہان کو گرمانے کے لیے استعمال کریں۔ اقبال نے خود کہا ہے:-

اقبل کا ترانہ بانگ درا ہے گویا ہوتا ہے جلوہ پیا پھر کارواں ہمارا
اقبلؑ نے ملت اسلامیہ کو دوبارہ سرگرم ہونے کے لیے آواز دی ہے۔ اس کے نتیجے میں قافلہ چل پڑا ہے۔ اقبال کا کلام قافلے کے لیے بانگ ذرا ہے۔

اس وقت جو لوگ عالم اسلام میں حکومت کر رہے ہیں وہ ہماری آرزوؤں کے آئینہ دار نہیں۔ ہمارا پہلا پہنچ یہ ہے کہ اپنی قیادت، صاف ستھری قیادت ہو، جو ہماری تمناؤں کے مطابق ہو، اور ہماری آرزوؤں کو پورا کرنے والی قیادت ہو، ہم ایک مخلص قیادت کے ذریعے سے ہم اپنی صفوں کو درست کریں۔ مغربی اور اسلامی تہذیب میں اس وقت جو معرکہ اُڑائی ہے، اس میں ہمارے لیے سب سے مشکل مرحلہ یہ ہے کہ ہمارے وسائل ہمارے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ ہمارے وسائل پر دشمنوں کے آلہ کار لوگوں کا قبضہ ہے۔ ہم ان آلہ کاروں سے نجات حاصل کریں گے تو منزل تک پہنچ سکیں گے۔ ہم ایک مخلص قیادت کی رہنمائی کے ذریعے سے اس جنگ کو جیت سکتے ہیں اور یہ ہمارا حق بھی ہے کہ ہم انسانیت کی رہنمائی کریں۔ یہ اللہ کے آخری نبیؐ کا ہمارے نام پیغام ہے۔ تم حضورؐ کے بعد کوئی نبی آئے گا نہ اللہ کی کتاب کے بعد کوئی کتاب آئے گی اور نہ اس امت مسلمہ کے بعد کوئی اور قوم آئے والی ہے۔

پس خدا پر یا شریعت ختم کرو بر رسول یا رسالت ختم کرو
 رونق از نا محفل ایام را او رسل را ختم و یا اقوام را
 اقبل نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ نے امتوں کے سلسلے کو ختم کر دیا ہے۔ اور ہمارے رسول پر رسولوں کے سلسلے کو ختم کر دیا ہے۔ ہمارے بعد کوئی اور قوم آئے والی نہیں ہے۔

حضورؐ نے فرمایا تھا کہ جب قیصر ہلاک ہو جائے گا اس کے بعد قیصر نہیں آئے گا جب کسری ہلاک ہو جائے گا اس کے بعد کوئی کسری نہیں آئے گا۔ اس کے بعد رسول کی امت کی امت ہو گی اور رہبری ہو گی۔ قیامت تک حق اس امت کے پاس ہے، اللہ کا آخری پیغام اس امت کے پاس ہے۔ توحید کی امت ان کے سینوں میں ہے۔ اگر موجودہ مسلمان اپنے فرض کو پورا نہیں کریں گے اللہ کسی اور کو پیدا کر دے گا لیکن یہ حق ہے، اسی کو غالب ہونا ہے، اس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے۔ اور اس تکلیف کا ابتدائی مرحلہ یہی ہے کہ ہم اس قیادت کو تبدیل کر دیں جو استعماری قومن کی آلہ کار ہے اور جو مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کی تکلیف میں ہمارے مقابلے میں دشمنوں کا ساتھ دے رہی ہے۔

اس کے رسی پر تیس دستیاب ہیں۔ تقابلی اداروں اور یوم اقبال کی تقابلی میں تقسیم کے لیے حاصل کیجئے۔ -/۲۰۰۰ روپے